19

احباب اپنی قربانیوں کا جائزہ لیں اور دین کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے لئے اپنے چندوں میں اضافہ کریں

(فرمودہ 31 مئی 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"دنیا پر بھی ایک نازک زمانہ آرہا ہے اور ہماری جماعت پر بھی ایک نازک سے نازک تر زمانہ آرہا ہے۔ دنیا پر تباہی اور بربادی کے لحاظ سے اور ہماری جماعت پر اس تباہی اور بربادی کو اپنی قربانی اور اپنے ایثار سے دور کرنے کے لحاظ سے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نجات اور دنیا کے لوگوں کا تکالیف سے بچنا یہ صرف احمدی جماعت کی قربانی کے ساتھ وابستہ کیا ہوا ہے۔ ایک آدمی دریا یا تالاب میں ڈوبنے لگتا ہے تو چاروں طرف سے لوگ اس کو بچانے کے لئے بھاگ پڑتے ہیں اور لوگوں کے اندر اتنا شدید جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسے موقع پر بعض لوگ جو تیرنا نہیں جانتے وہ بھی جوش میں آکر کُود پڑتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ دوسرے کو بچانا تو الگ رہا وہ خود اپنی جان کو بھی نہیں بچا سکتے۔ کسی انسان کے گھر میں آگ لگ جاتی ہے تو سینکڑوں آدمی اس طرف دوڑ پڑتے ہیں بلکہ بعض تو بجائے مدد کرنے کے رستہ میں روک بن جاتے ہیں کیونکہ آدمی اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ چلنے پھرنے کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ایک انسان کی جسمانی موت جس موت سے اسے کوئی چارہ نہیں تھا، ایک گھر کا تباہ ہو جانا، جس گھر کو تباہی سے ہمیشہ کے لئے کسی صورت میں بھی بچایا نہیں جا سکتا اس کے لئے تو

سینکڑوں اور ہزاروں انسان دیوانہ وار بھاگتے چلے جاتے ہیں اور جن میں طاقت اور قوت نہیں ہوتی وہ بھی اندھا دھند قربانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن روحانی موت اور روحانی غرق اور روحانی اِحراق کو دیکھتے ہوئے لاکھوں اور کروڑوں انسان آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اپنے تباہ ہونے والے بھائی، ایسے تباہ ہونے والے بھائی کی مدد سے دریغ کرتے ہیں جس کی تباہی دائمی اور ابدی ہے۔ وہ اس جان کے بچانے کی تو کوشش کرتے ہیں جس نے آج نہیں تو کل مر جانا ہے۔ وہ اس گھر کے بچانے کی تو کوشش کرتے ہیں جس نے آج نہیں تو کل گر جانا ہے مگر وہ اس روح کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیش کی زندگی مقرر فرمائی ہے۔ وہ اس گھر کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے جو دائمی ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ہر انسان جو پیدا ہوتا ہے اس کا ایک گھر دوزخ میں بنایا جاتا ہے اور ایک جنت میں۔ انسان جُوں جُوں نیکیوں میں بڑھتا چلا جاتا ہے اس کی جنتی گھر کے ساتھ وابستگی ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کا دوزخی گھر دوزخیوں کو دے دیا جاتا ہے اور اگر وہ بدیوں کی طرف جاتا ہے تو اس کا جنتی گھر اور جنتیوں کو مل جاتا ہے یا اس کو مل جاتا ہے جس پر اس نے ظلم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو جب ایک شخص روحانیت سے دور ہو کر ایسے کام کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتے ہیں تو گویا اس کا جنت کا گھر گرایا جا رہا ہوتا ہے۔ ایسا گھر جس کو اگر بچا لیا جائے تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے محفوظ رہے۔ اگر ایک شخص گمراہی کے گڑھے میں گرتا ہے تو گویا ایک ایسی جان غرق ہونے لگتی ہے جس کے لئے ہمیشہ ہمیش کی زندگی مقدر کی گئی تھی۔ اگر اسے بچا لیا جائے تو ایک ایسی جان کو بچایا جا سکتا ہے جس کے لئے کوئی موت نہیں۔ مگر لوگ معمولی معمولی صدموں اور تکلیفوں پر تو بے کل ہو جاتے ہیں لیکن اس عظیم الشان بات کے متعلق لوگوں میں بے چینی اور کرب کم پیدا ہوتا ہے۔

اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جس قسم کی مذہب سے دُوری اور منافرت پیدا ہو چکی ہے اس کی مثال پہلے زمانہ میں نہیں ملتی۔ گویا جنت کے گھر گرائے جا رہے ہیں اور دوزخ کی آبادی کے سامان پیدا کئے جا رہے ہیں۔ مگر وہ جو دس روپے کے ایک جھونپڑے کو بچانے کے لئے ایک محلہ سے دوسرے محلہ کو دوڑتے ہیں وہ جنت کا مکان بچانے کے لئے اس قسم کی

قربانیاں کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ بلکہ ہماری جماعت بھی جسے محض اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑا کیا گیا ہے ابھی پورے طور پر اپنے فرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ نہیں۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو مالی امداد تو دیتے ہیں مگر اتنی کم دیتے ہیں جو اُن کی عام مالی حالت سے بہت کچھ گری ہوئی ہوتی ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کی تحریکیں جو سلسلہ کی طرف سے کی جاتی ہیں ان کی طرف اتنی توجہ نہیں ہوتی جتنی توجہ کی وہ مستحق ہوتی ہیں۔ مثلاً تحریک جدید ہی ہے۔ تحریک جدید کا کام اب اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ درحقیقت اس کا بوجھ بادشاہتیں بھی اچھی طرح نہیں اٹھا سکتیں۔ کونسا مسلمان بادشاہ ہے جس نے دنیا کے چاروں کونوں میں مبلغینِ اسلام بھجوائے ہوں۔ یہ کام ایسا ہے کہ نہ ترکوں کو اس کی کبھی توفیق ملی، نہ ایران کو کبھی یہ توفیق حاصل ہوئی، نہ مصر کو کبھی یہ توفیق ملی، نہ مراکش کے بادشاہ کو یہ توفیق ملی، نہ عرب کے بادشاہ کو یہ توفیق ملی اور نہ اب ان دوسری اسلامی حکومتوں کو یہ توفیق ملی یا مل رہی ہے جو قریب زمانہ میں قائم ہوئی ہیں۔ صرف احمدیہ جماعت ہی ہے جس کی طرف سے ساری دنیا میں مبلغ بھجوائے گئے ہیں یا بھجوائے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی زندگیوں کو نہایت سادگی سے بسر کرتے اور ایسی تکلیف سے گزارہ کرتے ہیں کہ اس تکلیف کا اندازہ بھی دوسرا شخص نہیں لگا سکتا۔

ایک معمولی سی بات ہے جس سے انسان کسی قدر ان کی حالت کو سمجھ سکتا ہے۔ گو تکلیف کا احساس پورے طور پر نہ کر سکے۔ گورنمنٹ کی طرف سے جو طالب علم امریکہ جاتے ہیں ان میں سے ہر طالب علم کو وہ ڈیڑھ سو ڈالر ماہوار خرچ دیا کرتی ہے۔ گویا وہاں کے اخراجات کے لحاظ سے ڈیڑھ سو ڈالر فی کس مقرر ہے لیکن ہمارے مبلغ جو تین بچوں اور بیوی سمیت وہاں رہتے تھے ان کو سلسلہ کی طرف سے صرف ایک سو ڈالر ماہوار جایا کرتا تھا۔ گویا گورنمنٹ نے ایک طالب علم کا جو خرچ مقرر کیا ہوا ہے اُس کا چھٹا حصہ ان کو ملا کرتا تھا۔ ایک احمدی دوست امریکہ سے آئے تو انہوں نے سب سے زیادہ زور جس امر پر دیا تھا وہ یہی تھا کہ اگر ہم نے امریکہ میں تبلیغ کرنی ہے تو ہمیں کچھ نہ کچھ اخراجات تو مبلغین کو دینے چاہئیں۔ انہوں نے اپنے طور پر اندازہ لگاتے ہوئے کہا کہ ہمارے مبلغ کی ایسی حالت نہیں کہ وہ اعلیٰ طبقہ میں

تبلیغ کر سکے بلکہ اس کا لباس ایسا نہیں کہ وہ اوسط درجہ کے لوگوں میں بھی تبلیغ کر سکے۔ وہ غرباء میں ہی پھرتے ہیں اور لباس کی وجہ سے کھاتے پیتے لوگوں کے سامنے نہیں ہو سکتے۔ اب دیکھو تبلیغ کے کام میں یہ کتنی بڑی روک ہے۔ امریکہ کے اخراجات کے لحاظ سے سو سے لے کر ڈیڑھ سو ڈالر تک تو صرف کھانے پینے کے لئے چاہئے، باقی تبلیغ کے اخراجات کے لئے ٹریکٹوں کی چھپوائی اور ان کی اشاعت کے لئے ریل اور بسوں اور موٹروں کے کرایہ کے لئے، اسی طرح مختلف قسم کی کتابیں تقسیم کرنے اور لوگوں کے مطالعہ کے لئے، ایک لائبریری قائم کرنے کے لئے الگ اخراجات کی ضرورت ہے۔ ان تمام اخراجات کو اگر مدنظر رکھا جائے اور ایک مبلغ سے یہ امید کی جائے کہ وہ صحیح طور پر تبلیغ کرے تو اسے تین سو ڈالر ماہوار دینے چاہئیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں ایک مبلغ کو ہزار روپیہ مہینہ دینا چاہئے۔ لیکن یہ ہماری طاقت میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے مبلغوں سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگیاں اتنی سادہ بنائیں کہ اس سے زیادہ سادہ ہونا ان کے لئے ناممکن ہو۔ مگر سادگی کی حد تک تو انسان جا سکتا ہے۔ اس سے نیچے نہیں جا سکتا۔ ہم ان سے یہ تو مطالبہ کر سکتے ہیں کہ چونکہ آجکل تنگی اور مصیبت کے دن ہیں تم گوشت کھانا چھوڑ دو۔ ہم یہ بھی مطالبہ کر سکتے ہیں کہ تم دال کھانا بھی چھوڑ دو اور صرف چٹنی سے روٹی کھالیا کرو۔ مگر ہم ان سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ تم کچھ کھاؤ ہی نہیں۔ آخر اخراجات کی تنگی ایک حد تک ہی چل سکتی ہے۔ اگر ہم اپنے مبلغ کو ایک ہزار روپیہ ماہوار نہیں دے سکتے تو ہمیں اس سے اُتر کر اسے پانچ سو یا چھ سو روپیہ ماہوار تو دینا چاہئے۔ مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم بازار سے لوٹ کر کھالیا کرو۔ اگر بازار سے آٹھ آنے کو روٹی ملتی ہے تو تم آٹھ آنے خرچ کرنے کی بجائے چوری چُھپے روٹی اٹھا کر لے آیا کرو۔ یا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمہیں اگر کپڑا نہیں ملتا تو ننگے رہا کرو یا دوسروں کے کپڑے چُرا کر پہننا شروع کر دو۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ تم تبلیغ بند کر دو۔ یا اگر تبلیغ کے لئے جاؤ تو بغیر ٹکٹ کے ریل میں سوار ہو جایا کرو۔ اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ تم ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں نہ جاؤ یا اگر جاؤ تو بس میں زبردستی بیٹھ جایا کرو۔ ہم بہرحال معقول مطالبہ کر سکتے ہیں، غیر معقول نہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان ملکوں کے اخراجات کو مدنظر رکھیں۔ ان

ممالک میں اخراجات اِس قدر زیادہ ہیں کہ ہمارے ملک کے اخراجات پر ان ممالک کے اخراجات کا قیاس بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے اخراجات اَور رنگ کے ہیں اور ان کے اخراجات اَور رنگ کے۔

گزشتہ دنوں انگلستان کی ایک خبر شائع ہوئی تھی۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان ممالک میں اخراجات کی کیا نوعیت ہے۔ انگلستان امریکہ سے بہت سستا اور غریب ملک ہے۔ مگر پچھلے دنوں انگلستان میں مزدوروں نے سڑائیک کر دی اور سڑائیک کی وجہ ان کا یہ مطالبہ تھا کہ ہماری مزدوری میں آٹھ شلنگ روزانہ کی زیادتی کی جائے۔ یہاں اگر مزدوروں کو بتایا جائے کہ انہیں آٹھ روپیہ روزانہ مزدوری ملا کرے گی۔ تو مَیں سمجھتا ہوں ان پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو جائے اور دس فیصدی کے ہارٹ فیل ہو جائیں۔ جنگ کے دنوں میں انہیں بارہ چودہ آنے مزدوری ملتی رہی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے انہیں چھ سات آنے ملا کرتے تھے۔ آٹھ شلنگ کی روزانہ زیادتی ان کے ذہن میں بھی کہاں آسکتی ہے۔ یہاں کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی آٹھ روپیہ مہینہ کی آمد ہوتی ہے۔ چونکہ قادیان میں غرباء کے لئے غلہ کا انتظام کیا جاتا ہے اور یہ ضروری ہوتا ہے کہ ہمیں ان کی آمد کا صحیح علم ہو تا کہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ وہ امداد کے مستحق ہیں یا نہیں۔ اس لئے جب ان کی آمد کا پتہ لگایا جاتا ہے تو کافی تعداد ایسے لوگوں کی نکلتی ہے جن کی آمد 9، 10، 12 اور 15 کے اندر اندر چکر لگا رہی ہوتی ہے۔ گویا ہمارے ملک میں ایک غریب خاندان کی جتنی ماہوار آمد ہوتی ہے وہاں اتنی رقم کا روزانہ تنخواہ کے طور پر نہیں، تنخواہ کی زیادتی کے طور پر مطالبہ کیا جاتا ہے اور زیادتی تنخواہ سے بہر حال کم ہوتی ہے۔ کسی کی پچیس روپیہ تنخواہ ہو تو وہ یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ مجھے ساٹھ روپیہ تنخواہ دی جائے وہ یہ تو کہتا ہے کہ میری تنخواہ پچیس کی بجائے تیس روپے ماہوار کر دی جائے یا پچیس کی بجائے پینتیس یا چالیس کر دیئے جائیں مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پچیس کی بجائے ساٹھ یا اسّی روپیہ تنخواہ دی جائے۔ تو زیادتی کا مطالبہ ہمیشہ اصل تنخواہ سے کم ہوتا ہے۔ پس جن کا مطالبہ یہ تھا کہ ہماری مزدوری میں آٹھ شلنگ روزانہ کی زیادتی کی جائے سمجھ لو کہ ان کی تنخواہ تو بارہ تیرہ شلنگ کے قریب روزانہ ہو گی۔

امریکہ میں اس سے بھی زیادہ تنخواہیں ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ بعض مزدور اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جن کی تنخواہیں اپنے فن میں مہارت رکھنے کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے اور ہر ملک میں ایسا ہوتا ہے مگر پھر بھی امریکہ میں ڈیڑھ سَو ڈالر سے لے کر تین سَو ڈالر تک عام مزدور لیتا ہے اور جو اپنے فن میں خاص طور پر ماہر ہوتے ہیں یا اعلیٰ درجہ کے مستری ہوتے ہیں وہ تو بہت زیادہ تنخواہیں لیتے ہیں۔ گویا امریکہ میں ایک عام مزدور پانچ سَو سے لے کر ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ لیتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ڈپٹی کی تنخواہ چھ سو روپیہ ہوتی ہے اور ڈپٹی ہونا یوں سمجھا جاتا ہے کہ گویا وہ عرش پر پہنچ گیا ہے۔ ایک غریب آدمی اگر ڈپٹی سے بات کرنے لگے تو وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لے گا اور کہے گا یہ بیوقوف اور جاہل اِتنا بھی نہیں جانتا کہ میں ڈپٹی ہوں۔ غرض ہمارے ملک میں ڈپٹی ہو جانا ایک بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے حالانکہ ایک ڈپٹی کی امریکہ کے مزدور سے آدھی تنخواہ ہوتی ہے۔ پس ان ملکوں میں گزارہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ مگر ہم ان ممالک میں بھی اپنے مبلغین کو اتنا تنگ گزارہ دیتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

پھر جنوبی امریکہ میں شمالی امریکہ سے بھی زیادہ اخراجات ہوتے ہیں۔ مگر ہم جنوبی امریکہ کے مبلغ کو بھی بہت تھوڑا گزارہ بھجواتے ہیں۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہم روپیہ خود جمع کرتے جاتے ہیں اور انہیں گزارہ کے لئے ایک معمولی سی رقم بھجوا دیتے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم ان کو بھیج دیتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ان کے اخراجات کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ جنوبی امریکہ میں شمالی افریقہ سے بھی زیادہ اخراجات ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم وہاں کے مبلغ کو چار سال تک صرف ساٹھ روپیہ مہینہ بھجواتے رہے ہیں۔ اس سے اندازہ کر لو کہ وہ کیسی تنگی سے گزارہ کرتے ہیں۔ جس ملک کے مزدور کو پانچ سو سے ہزار روپیہ تک تنخواہ ملتی ہو اس ملک میں ساٹھ روپیہ مہینہ لے کر کوئی شخص کیسے گزارہ کر سکتا ہے۔

اسی طرح اَور کئی ایسے ممالک ہیں جن میں ہم اپنے مبلغین کو پندرہ پندرہ، بیس بیس روپیہ ماہوار بھجواتے رہے ہیں۔ حالانکہ پندرہ بیس روپیہ میں یہاں بھی انسان معقول گزارہ نہیں کر سکتا۔ اور غیر ملکوں میں تو جہاں بہت زیادہ گرانی ہے۔ پندرہ بیس روپے کوئی حیثیت ہی

نہیں رکھتے۔ مگر ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کیا ہمیں اپنے مبلغوں سے دشمنی ہے؟ یا کیا تبلیغ کے فریضہ سے ہمیں دشمنی ہے؟ یا کیا ہم میں اتنی عقل نہیں کہ ہم اپنے ملک اور ان ملکوں کے فرق کو سمجھ سکیں؟ یہ سب باتیں غلط ہیں۔ ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے فریضۂ تبلیغ سے دشمنی نہیں بلکہ دلچسپی ہے اور دوسروں سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے بے وقوف بھی نہیں بلکہ بُہتوں سے زیادہ سمجھ اور عقل رکھنے والے ہیں۔ پھر ہمیں اپنے مبلغوں سے بھی دشمنی نہیں۔ وہ مبلغ ہمیں اپنے عزیزوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں کیونکہ وہ خدا کے لئے اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔ پھر ہم کیوں ایسا کرتے ہیں؟ اس لئے کہ جماعت اپنی ذمہ داری کو پوری طرح نہیں سمجھتی اور جو چندہ جمع کرتی ہے وہ ہماری ضروریات کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اب ایک ہی صورت ہے کہ یا تو ہم تبلیغ بند کر دیں یا تبلیغ کو کم کر دیں اور یا پھر اس قسم کے مظالم کو جاری رکھیں۔ کئی لوگ جو بیرونی ممالک سے واپس آئے ہیں انہوں نے انہی الفاظ میں مجھ سے سوال کیا ہے کہ کیا اس ظلم کی اِسلام اجازت دیتا ہے؟ اس وقت مَیں جبکہ میرا نفس اس سوال سے شرمندہ تھا صرف یہی جواب دے سکا کہ ہاں! اگر کوئی شخص خود اس ظلم کو خوشی سے برداشت کرتا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ہم جبری طور پر ایسا کریں تو یہ ظلم ہو گا۔ لیکن اگر وہ خود اپنی گردن ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بے شک میری گردن کاٹ دو۔ تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ پس یہ ظلم تو ہے مگر ہمارا نہیں۔ بلکہ وہ ظلم ہے جس میں مظلوم خود اپنی خوشی سے شریک ہے۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ۔

در کوئے تُو اگر سرِ عشاق را زنند　　　اول کسے کہ لاف تعشق زند منم 1

اگر تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سر کاٹے جاتے ہوں اور اے خدا! تُو یہ فیصلہ کر دے کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ مَیں عاشق ہوں اس کا سر کاٹ دیا جائے گا۔ تو

اول کسے کہ لافِ تعشّق زند منم

اے میرے رب! اگر مجھے یہ پتہ لگ جائے کہ تُو نے ایسا حکم دے دیا ہے تو سب سے پہلے مَیں یہ کہوں گا کہ مَیں عاشق ہوں، مَیں عاشق ہوں۔

توجو شخص خود اپنا سر کٹوانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے بے شک وہ ظلم نظر آئے لیکن در حقیقت وہ ظلم نہیں ہوتا۔ وہ سچی قربانی ہوتی ہے۔ وہ عاشقانہ اقدام ہوتا ہے۔ اس میں نہ ہم اس کی قدر کا اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ معاملہ کرنے والے کو ظالم کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے معاملات کو مَیں دیکھتا ہوں کہ ان میں بھی جماعت پورے جوش کے ساتھ حصہ نہیں لے رہی۔ حالانکہ اب ہمارے کام بہت وسیع ہو چکے ہیں۔ شروع میں صرف شمالی امریکہ میں ہمارا مشن تھا لیکن اس کے بعد جنوبی امریکہ میں بھی ہمارا مشن کھل گیا۔ اسی طرح مشرقی افریقہ میں بھی مشن قائم ہو چکا ہے۔ پہلے وہاں صرف ایک آدمی تھا لیکن اب کئی آدمی جا رہے ہیں۔

فرانس میں بھی ہمارا مشن قائم ہو گیا ہے مگر وہاں اخراجات کی جو کچھ حالت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ فرانس کے مبلغ نے لکھا ہے کہ یہاں صرف روٹی پر اوسطاً سوا پونڈ کے قریب ایک شخص کا روزانہ کا خرچ ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ چالیس پونڈ ماہوار میں وہاں ایک آدمی صرف روٹی کھا سکتا ہے۔ اب تو وہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں لیکن اگر رہائش کے لئے الگ مکان مل جائے اور وہ کھانے کا اپنے طور پر انتظام شروع کر دیں اور اس طرح یہ خرچ آدھا ہو جائے تب بھی بیس پونڈ ماہوار صرف ایک شخص کی روٹی کے لئے چاہیئے۔ اس کے بعد مکان کا سوال ہے۔ اس کے لئے دس پونڈ فرض کر لو۔ پھر کپڑوں کا سوال آئے گا۔ اس ملک کے لحاظ سے اس غرض کے لئے بھی ہمیں دس پونڈ رکھنے چاہئیں۔ پھر ارد گرد کے علاقوں میں پھرنے، لوگوں کو تبلیغ کرنے اور ٹریکٹ اور کتابیں وغیرہ شائع کرنے کے لئے اگر تیس پاؤنڈ رکھے جائیں تو یہ کل اخراجات ستّر پونڈ ماہوار بن جاتے ہیں۔ غرض ایک مبلغ کا ذاتی خرچ جس میں کھانے اور مکان اور کپڑوں کے اخراجات سب شامل ہیں کم سے کم چالیس پونڈ ماہوار ہے۔ مگر ہم نے ایک مبلغ کے لئے آٹھ یا دس پونڈ مقرر کئے ہوئے ہیں۔ گویا جس چیز سے وہ آٹھ دن صرف روٹی کھا سکتا ہے وہ ہم اسے مکان اور کپڑے اور روٹی اور تبلیغ کے اخراجات کے لئے دے رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان بعض وقت بھوکا بھی رہ سکتا ہے لیکن کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کھانے کو کُلّیۃً ترک کر دے۔ وہ بھوک اور پیاس کی تکلیف

تو ایک حد تک برداشت کر سکتا ہے مگر زندگی کے قیام کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے اس کو وہ چھوڑ نہیں سکتا۔

ابھی ہمارے ایک مبلغ نے اٹلی سے لکھا ہے کہ یہاں اس قدر تنگی اور قحط ہے کہ اول تو ہمارے پاس پیسے ہی نہیں ہوتے کہ روٹی مل سکے اور اگر پیسے پاس ہوں تو روٹی نہیں ملتی۔ اور اگر مل جائے تو کافی نہیں ہوتی اور چند دن کے بعد ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان بھوک سے بے تاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے کہ **آج بھوک کی شدت کی وجہ سے میری ایسی حالت ہو گئی کہ مجھے سوائے اس کے اَور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ مَیں جنگل میں چلا گیا اور مَیں نے درخت کے پتے کھا کر گزارہ کیا۔**

غرض اٹلی میں بھی ہمارا مشن قائم ہو چکا ہے۔ فرانس میں بھی ہمارا مشن قائم ہو چکا ہے۔ سپین میں ہمارے مبلغین کے جانے کی اطلاع آ چکی ہے۔ ہالینڈ میں بھی ہمارا مشن قائم ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ انگلستان میں بھی ہمارا مشن قائم ہے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں بھی ہمارا مشن قائم ہے۔ ارجنٹائن میں بھی ہمارا مشن قائم ہے۔ شام میں بھی ہمارا مشن قائم ہے۔ ایران میں بھی ہمارا مشن قائم ہے۔ نو یہ ہوئے۔ آٹھ دس مشن ویسٹ افریقہ میں ہیں یہ سترہ ہو گئے۔ ایک مشن ایسٹ افریقہ میں ہے۔ ایک مشن ماریشس میں ہے۔ دو مشن سماٹرا میں ہیں۔ پانچ مشن جاوا میں ہیں۔ ایک مشن ملایا میں ہے۔ اسی طرح اَور کئی مقامات پر ہمارے مشن قائم ہیں اگر سب کو ملا لیا جائے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مشنوں کی تعداد تیس کے قریب بن جاتی ہے۔ اور ان مبلغین کی تعداد جو ان مشنوں میں کام کر رہے ہیں پچاس کے قریب ہے۔ اگر ہم ایک شخص کو کم سے کم خرچ کھانے اور کپڑے کے لئے دیں اور کم سے کم خرچ تبلیغ اور لٹریچر کی اشاعت کے لئے دیں تو پانچ سو روپیہ سے کم کسی صورت میں بھی خرچ نہیں آ سکتا۔ اور یہ بھی ہمارا کم سے کم اندازہ ہے ورنہ امریکہ جیسے ملک میں تو پانچ سو سے صرف روٹی کپڑے کا گزارہ ہو سکتا ہے اور وہ بھی نہایت ادنیٰ صورت میں۔ باقی اخراجات اس کے علاوہ ہوں گے۔ بہر حال اگر فی کس پانچ سو روپیہ ماہوار خرچ کا اندازہ رکھا جائے تو تین لاکھ روپیہ کی رقم صرف پچاس مبلغین کے اخراجات کی ہی بن جاتی ہے۔ حالانکہ تحریک جدید کی ساری آمد تین لاکھ روپیہ سے کم ہے

اور اس میں سے بھی ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف ہندوستان پر خرچ ہو رہا ہے۔ کئی طالب علم ہیں جن کو وظائف دیئے جاتے ہیں، کئی مدرّس ہیں جن کو گزارے دیئے جاتے ہیں اور پھر دفاتر کو چلانے کے لئے بھی ایک معقول رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم باہر کے مشنوں کو ابھی اَور زیادہ نہ بڑھائیں تب بھی تین لاکھ روپیہ وہ اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ یہ۔ ساڑھے چار لاکھ روپیہ سالانہ ہمیں ان اخراجات کے لئے چاہئے۔ مگر تحریک جدید کی ساری آمد اڑھائی لاکھ روپیہ کے قریب ہوتی ہے۔ اسی لئے مَیں نے کہا تھا کہ اب جماعت کے دوستوں کو دفتر دوم کی طرف توجہ کرنی چاہیئے تاکہ ہماری ان ضروریات کے پورا ہونے میں کوئی روک واقع نہ ہو۔ مَیں نے کہا تھا کہ اگر ہماری جماعت کے وہ افراد جو دفتر اول میں حصہ نہیں لے سکے وہ دفتر دوم میں حصہ لینا شروع کر دیں اور متواتر اُنیس سال تک حصہ لیتے چلے جائیں اور دوسری طرف نئے شامل ہونے والے یہ کوشش کریں کہ ان کی تعداد بھی پانچ ہزار تک پہنچ جائے اور اڑھائی لاکھ سالانہ دفتر دوم کی آمد شروع ہو جائے تو اس طرح آٹھ سال میں پندرہ بیس لاکھ روپیہ ریزرو فنڈ کے طور پر جمع ہو سکتا ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ اب دوسرا سال گزر رہا ہے مگر اس سال کے وعدے بھی ابھی اَسّی ہزار سے کم ہیں۔ جب ہماری جماعت کی یہ حالت ہے کہ وہ بار بار توجہ دلانے کے باوجود اپنے فرائض کا صحیح احساس نہیں کرتی تو اتنا بڑا کام جو ہمارے سپرد ہے کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات غلط ہے کہ ہماری جماعت کے پاس روپیہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جماعت کی مالی حالت اب ایسی ہے کہ اگر قادیان میں ہی چندہ کی تشخیص اور اس کی وصولی کی صحیح طور پر کوشش کی جائے تو اب جو کچھ قادیان سے چندہ وصول ہو رہا ہے اس سے پچاس ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ زیادہ آسکتا ہے۔ اسی طرح بیرونجات کے چندوں میں جو کمی ہے اگر اس کی اصلاح کی جائے تو ہماری آمد میں قریباً پانچ چھ لاکھ روپیہ کی زیادتی ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اس وقت ہمارے روپیہ کا اکثر حصہ تبلیغ میں خرچ ہو رہا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنی تعداد میں بڑھتی چلی جائے گی۔ اس لئے اگر پانچ سات سال تک یہ روپیہ برابر تبلیغ پر خرچ ہوتا رہا تو یہ ہماری آمد کو اتنا بڑھا دے گا کہ یہی پانچ چھ لاکھ پچیس چھبیس لاکھ بن کر

ہمارے پاس آجائے گا۔ مگر تجارت وہی کرتا ہے جس کے پاس سرمایہ سے کوئی چیز خریدی ہوئی ہوتی ہے۔ جس شخص نے کوئی چیز خریدی ہی نہیں وہ بیچے گا کیا اور اسے نفع کیا حاصل ہو گا۔ ہم بھی اگر اس وقت بیج کے طور پر اپنا روپیہ زمین میں پھینکتے چلے نہیں جاتے تو روپیہ ہمارے پاس آئے گا کہاں سے ؟ جو زمیندار فصل بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ اگر آج ہم کچھ بوتے نہیں تو دین کی فصل کاٹنے کی امید بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

اسی طرح مَیں نے کالج کے لئے چندہ کی تحریک کی تھی۔ درحقیقت ہمارا کالج نوجوانوں میں روحانیت اور دین پیدا کرنے کے لئے ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ اب جبکہ ہماری جماعت کی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ تھی، امراء بھی ہماری جماعت میں زیادہ تھے اور سامان بھی ہمیں پہلے سے زیادہ میسر تھے۔ دو باتوں میں سے ایک بات لازمی تھی۔ یا تو ہمارے طالب علم بیرونی کالجوں میں تعلیم پانے پر مجبور ہوتے اور یا پھر وہ عیاشیوں میں مبتلا ہو جاتے۔ پس درحقیقت اب وقت آگیا تھا کہ کالج قائم کیا جاتا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ اب وقت آگیا تھا کہ اگر کالج قائم نہ کیا جاتا تو ہماری آئندہ نسل اسلام سے غافل اور بے دین ہو جاتی۔ پس مَیں نے کالج کی تحریک کی اور وہ قائم ہوا۔ اب کالج خدا تعالیٰ کے فضل سے بی۔ اے کے سالوں میں داخل ہو رہا ہے اور یونیورسٹی کی طرف سے اس کی اجازت آچکی ہے۔ چنانچہ دو تین دن ہوئے یونیورسٹی نے اجازت دے دی ہے کہ کالج میں بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی کلاسز کھول دی جائیں۔ آجکل ہر چیز روپیہ سے بنتی ہے۔ ہم نے بجٹ بنایا تو کالج کا کم سے کم بجٹ دو لاکھ پانچ ہزار روپیہ کا تیار ہوا۔ مَیں نے جماعت کے دوستوں سے کالج کے لئے تین لاکھ روپیہ کی اپیل کی تھی مگر مجھے افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ میری اس تحریک پر تین ماہ گزر رہے ہیں۔ اب تک صرف ایک لاکھ دو ہزار کے وعدے آئے ہیں اور چونکہ سارے وعدے پورے نہیں ہوتے اس لئے یوں سمجھنا چاہئے کہ ایک لاکھ دو ہزار میں سے صرف اسّی نوّے ہزار وصول ہوں گے۔ حالانکہ ہمیں ضرورت دو لاکھ کی ہے اور وہ بھی اس سال ضرورت ہے۔ ہم اس چندہ کو اگلے سالوں تک پھیلا نہیں سکتے کیونکہ اگلے سالوں کے لئے ہمارے ذہن میں بعض اَور سکیمیں ہیں جو جاری کی جانے والی ہیں۔ یہ مَیں نے اس لئے کہا ہے کہ ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ

اگر جماعت کی طرف سے ابھی دولاکھ کے وعدے نہیں آئے تو اس میں گھبراہٹ کی کونسی بات ہے۔ جو کمی رہے گی وہ اگلے سال پوری ہو جائے گی۔ ایسا خیال درست نہیں۔ اگر ہم اس سال کی سکیم کو اگلے سال پر ترک کر دیں گے تو اگلے سال کی سکیم کو کہاں لے جائیں گے۔ ہمارے لئے بہرحال ضروری ہے کہ ہم اپنے فرائض کی اہمیت کو سمجھیں اور جس چیز کی فوری طور پر ضرورت ہو اسے فوری طور پر مہیا کریں۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے اور بہت بڑی ذمہ داری ہے جو ہم پر عائد ہوتی ہے۔ جس عمارت سے ہم نے دنیا کو اسلام کے مقابلہ میں شکست دینی ہے اور جس کفر کا ہم نے مقابلہ کرنا ہے اس کے ایک ایک شہر کی یونیورسٹی پر ڈیڑھ ڈیڑھ، دو دو کروڑ روپیہ لگا ہوا ہے۔ ہندوؤں نے بنارس یونیورسٹی پر ہی ڈیڑھ دو کروڑ روپیہ خرچ کیا ہوا ہے اور ان کے جو دوسرے کالج ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اسی طرح لاہور کے آریہ سماج کالج کے متعلق پچھلے دنوں مَیں نے پڑھا کہ اس کی جائیداد کی موجودہ قیمت ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہے۔ حالانکہ آریہ سماج کے پنجاب میں پندرہ بیس اور بھی کالج ہیں۔ پھر اگر آریہ سماج کی اَور جائیدادوں اور شدھی کے صیغوں کے اخراجات کو شامل کر دیا جائے تو مَیں سمجھتا ہوں آریہ سماج کا پنجاب میں سات آٹھ کروڑ روپیہ لگ چکا ہے۔ پھر اگر سناتن دھرمیوں اور عیسائیوں اور سکھوں کو ملا لیا جائے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ان کی مختلف کوششوں پر اب تک تیس کروڑ سے کم روپیہ صَرف نہیں ہوا ہوگا۔ اور یہ صرف پنجاب کی حالت ہے۔ اس کے بعد سارے ہندوستان کو لو، پھر سارے ایشیا کو لو، پھر ساری دنیا کو لو اور اندازہ لگاؤ کہ اب تک لوگ ان کاموں پر کتنا روپیہ صَرف کر چکے ہیں؟ اس کے مقابلہ میں بے شک ہمارے مبلغ کم خرچ کر سکتے ہیں، بے شک ہمارے مبلغ آدھے پیٹ سے روٹی کھا سکتے ہیں، بے شک ہمارے آدمی چھ گھنٹے کی بجائے اٹھارہ گھنٹے کام کر سکتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو انسان بنایا ہے۔ ہم ان سے یہ تقاضا نہیں کر سکتے کہ تم فرشتوں کی طرح بن جاؤ اور انسانی حوائج اور ضروریات سے بالا ہو جاؤ۔ آخر قربانی ایک حد تک چلے گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ پھر قربانی کا مطالبہ کرنے والے کے لئے بھی تو ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنا منہ شیشہ میں دیکھے کہ مَیں جو دوسروں سے قربانی کا مطالبہ کر رہا ہوں خود کیا کر رہا ہوں۔ ایک شخص جو روپیہ میں سے ایک آنہ دے کر بھوکا نہیں سوتا اور کہتا ہے کہ کیوں ہمارا مبلغ

چھ گھنٹے کی بجائے بارہ گھنٹے کام نہیں کرتا؟ کیوں وہ دو روٹیاں کھانے کی بجائے ایک روٹی کھا کر گزارہ نہیں کرتا؟ کیوں اگر اسے پورے کپڑے میسر نہیں آتے تو وہ صرف تہہ بند باندھ نہیں لیتا؟ کیا ایسے انسان کو یہ الفاظ اپنی زبان سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ اور کیا اسے محسوس نہیں ہوتا کہ مَیں تو روپیہ میں سے ایک آنہ دین کے حوالہ کرتا ہوں اور اسے یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنا جسم ہی نہ دے بلکہ اپنی روح بھی دین کے حوالے کر دے؟ لیکن ہمارے مبلغین اور واقفین کو اس سے بھی دریغ نہیں۔ وہ اپنی جانیں خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں مگر جس چیز کی خدا تعالیٰ نے ان کو طاقت ہی نہیں دی اس چیز کا ان سے مطالبہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ انسان آخر دوسرے کو وہی دے سکتا ہے جو اس کے پاس ہو۔ جو چیز اس کے پاس ہی نہیں اور جسے خدا نے اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے وہ کسی دوسرے کو دے کس طرح سکتا ہے۔ بہرحال جماعت کو اپنی اصلاح کرنی پڑے گی اور بہرحال مطالبہ صرف ایک سے نہیں بلکہ دونوں سے ہو گا۔ ہم نوجوانوں سے بھی مطالبہ کریں گے کہ آؤ اور اپنی جانیں قربان کر دو اور ہم جماعت سے بھی مطالبہ کریں گے کہ آؤ اور اپنے اموال قربان کر دو۔

اسی طرح غرباء کے لئے غلہ فنڈ کی مَیں نے تحریک کی تھی۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ سارے ہندوستان کے لئے نہیں، سارے پنجاب کے لئے نہیں صرف قادیان کے غرباء کے لئے اور وہ بھی سارے سال کے لئے نہیں صرف پانچ چھ ماہ کے اخراجات کے لئے مَیں نے غلہ کی تحریک کی تھی مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت نے اب تک اس کی طرف پورے طور پر توجہ نہیں کی۔ دو چار دن سے مَیں نے لسٹ نہیں دیکھی مگر میرے خطبہ کے پندرہ دن بعد تک اِس مد میں صرف دو سو روپیہ آیا تھا اور ان دو سَو میں سے بھی ایک سو صرف ایک شخص کا تھا۔ اب تو شاید کچھ زیادہ روپیہ آ گیا ہو۔ کیونکہ کچھ دنوں سے میرے پاس ناقص طور پر رپورٹ پہنچتی رہی ہے۔ وعدے بھی اڑھائی ہزار کے قریب ہیں جن میں سے صرف میرا وعدہ دو ہزار کا ہے اور باقی پانچ سو کا وعدہ ساری جماعت کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ مَیں نے بتایا تھا کہ بے شک یہ تنگی کے دن ہیں لیکن تنگی کا ہی وقت ہے جب انسان زیادہ قربانی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے اور وہی وقت انسان کے ایمان کی آزمائش کا بھی ہوتا ہے۔

یوں تو آجکل ہر ایک کے لئے تنگی اور قحط کے ایام ہیں لیکن جسے بہت زیادہ تنگی ہو اس کے لئے تھوڑی تنگی والے کو قربانی کرنی چاہیئے۔ مَیں نے بتایا تھا کہ سندھ کی گندم اِدھر آ نہیں سکتی۔ یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم پنجاب کی گندم سے فائدہ اٹھائیں۔ مگر اس سال بارشوں کے نہ ہونے کی وجہ سے گندم کی فصل بالکل تباہ ہو گئی ہے خصوصاً وہ زمینیں جو بارانی تھیں ان کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ میری اپنی گندم بھی بہت کم ہوئی ہے۔ چنانچہ اس سال صرف ایک سَو اَسّی من گندم مجھے ملی ہے۔ اس کمی کی وجہ سے پہلے تو میرا ارادہ ہوا کہ مَیں بھی پہلے جتنا ہی غلہ دوں مگر پھر میرے دل نے مجھے ملامت کی کہ خدا تعالیٰ کی رحمت پر بدظنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر ایک لحاظ سے کمی واقع ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے لحاظ سے اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ اس سال پچھلے سالوں کی نسبت میری گندم بہت کم ہوئی ہے جہاں پچھلے سالوں میں مَیں ایک سو من غلہ دیا کرتا تھا وہاں اس سال مَیں نے دو سو من غلہ غرباء کے لئے دیا ہے۔ مَیں نے کہا بہرحال خدا تعالیٰ نے ہمیں ایسے سامان عطا فرمائے ہیں کہ اگر ہمارے پاس اپنا غلہ نہ ہو تو ہم روپیہ سے اپنے لئے غلہ خرید سکتے ہیں لیکن وہ جو اپنی ضروریات کے لئے غلہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا یقیناً ہم سے زیادہ حق دار ہے۔ اور اگر کبھی فاقے کا سوال آئے اور یہ دریافت کیا جائے کہ وہ جو دوسرے اوقات میں کھاتا رہا ہے وہ فاقہ کرے؟ یا وہ جسے دوسرے اوقات میں کھانے کے لئے کم ملتا تھا وہ فاقہ کرے تو یقیناً ہم یہی کہیں گے کہ جو شخص کھاتا رہا ہے وہ اب فاقہ کرے اور جو فاقہ کرتا رہا ہے وہ اب کھائے۔ جب تک اموال کی اس رنگ میں تقسیم نہیں ہو گی کبھی بھی دنیا میں انصاف قائم نہیں ہو گا اور کبھی بھی بنی نوع انسان میں محبت قائم نہیں ہو گی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ہمیشہ اچھا کھائے اور مصیبت کے وقت بھی کہے کہ چونکہ مَیں ہمیشہ اچھا کھانا کھاتا رہا ہوں اس لئے اب بھی مجھے اچھا کھانا ملنا چاہیئے۔ ہم کہیں گے اب تمہارا فرض ہے کہ تم مصیبت برداشت کرو اور اپنے غریب بھائی کو کھانا کھلاؤ۔

درحقیقت اگر غور کیا جائے تو ہماری جماعت میں اس قسم کے غرباء کا حصہ کم ہے جو محض جماعت پر بار ہوں اور خود کسی قسم کی قربانی میں حصہ نہ لیتے ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں

کہ بعض کمزور بھی ہیں اور ہمیں اس دوران میں یہ تجربہ بھی ہوا ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہمارے پاس امداد کے لئے آجاتے ہیں جو درحقیقت امداد کے مستحق نہیں ہوتے۔ لیکن بالعموم فاقہ کرنے والے غرباء بھی چندہ دیتے اور اپنی بساط کے مطابق دل کھول کر دیتے ہیں۔ دنیا میں تو یہ جھگڑے ہوتے ہیں کہ میاں بیوی کی لڑائی ہوتی ہے تو بیوی کہتی ہے مجھے زیور بنوا دو اور میاں کہتا ہے مَیں کہاں سے زیور بنوا دوں میرے پاس تو روپیہ ہی نہیں۔ لیکن مَیں نے اپنی جماعت میں سینکڑوں جھگڑے اس قسم کے دیکھے ہیں کہ بیوی کہتی مَیں اپنا زیور خدا تعالیٰ کی راہ میں دینا چاہتی ہوں مگر میرا خاوند کہتا ہے کہ نہ دو کسی اَور وقت کام آجائے گا۔ غرض خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو ایسا اخلاص بخشا ہے کہ اَور عورتیں تو زیور کے پیچھے پڑتی ہیں اور ہماری عورتیں زیور لے کر ہمارے پیچھے پھرتی ہیں۔ مَیں نے تحریک وقف کی تو ایک عورت اپنا زیور میرے پاس لے آئی۔ مَیں نے کہا مَیں نے سرِ دست تحریک کی ہے کچھ مانگا نہیں۔ اس نے کہا یہ درست ہے کہ آپ نے مانگا نہیں لیکن اگر کل ہی مجھے کوئی ضرورت پیش آگئی اور مَیں یہ زیور خرچ کر بیٹھی تو پھر مَیں کیا کروں گی۔ مَیں نہیں چاہتی کہ مَیں اس نیکی میں حصہ لینے سے محروم رہوں۔ اگر آپ اس وقت لینا نہیں چاہتے تو بہر حال یہ زیور اپنے پاس امانت کے طور پر رکھ لیں اور جب بھی دین کو ضرورت ہو خرچ کر لیا جائے۔ مَیں نے بہتیرا اصرار کیا کہ اس وقت مَیں نے کچھ مانگا نہیں مگر وہ یہی کہتی چلی گئی کہ مَیں نے تو یہ زیور خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا ہے۔ اب مَیں اسے واپس نہیں لے سکتی۔ یہ نظارے غرباء میں بھی نظر آتے ہیں اور امراء میں بھی۔ لیکن امراء میں کم اور غرباء میں زیادہ۔ یہی ایثار اور یہی حوصلہ ہے جو ہمیں امید دلاتا ہے کہ ہم کفر کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے فتح پائیں گے کیونکہ جب کسی قوم میں مخلص زیادہ ہو جاتے ہیں اور کمزور کم تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ لیکن کچھ لوگوں کے مخلص ہونے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ باقی لوگ اپنے فرائض کو بھول چکے ہیں۔

پس مَیں جماعت کے تمام دوستوں کو شہریوں کو بھی اور گاؤں کے رہنے والوں کو بھی، تاجروں کو بھی اور ملازم پیشہ لوگوں کو بھی، اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں اپنی قربانیوں کا جائزہ لینا چاہئے اور سلسلہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو دیکھتے ہوئے اپنے چندوں میں اضافہ کرنا چاہئے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ملازم پیشہ لوگ ہر قسم کی تحریکات میں بہت زیادہ حصہ

لیتے ہیں لیکن تاجر بہت کم حصہ لیتے ہیں اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ۔ بعض تاجر بے شک بہت بڑی قربانی کر رہے ہیں مگر بالعموم سو میں سے پانچ تاجر ایسے ہوتے ہیں جو قربانی کرتے ہیں اور پچانوے تاجر ایسے ہوتے ہیں جو چندہ تو دیتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا پلہ ہلکا رہے اور ان کا پلہ بھاری رہے۔ اسی طرح زمینداروں میں بھی ایک طبقہ ایسا ہے جو قربانی کرتا ہے اور ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے فرائض سے غافل ہے۔ مگر اَب وہ دن آگیا ہے کہ یا تو ہماری جماعت کو پوری طرح قربانی کرنے پڑے گی اور یا اس میدان سے اپنے منہ پر کالک لگا کر بھاگنا پڑے گا۔ آخر جو کام روپیہ سے ہو سکتے ہیں وہ روپیہ کے بغیر کس طرح ہو سکتے ہیں۔ لوگوں کے لئے بہرحال ضروری ہو گا کہ وہ مالی قربانی کریں اور سلسلہ کے کاموں میں کوئی روک واقع نہ ہونے دیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر روپیہ نہ ہوا تو یہ نہیں ہو گا کہ ہمارے مبلغ دین کی خدمت سے منہ موڑ لیں۔ لیکن اس صورت میں وہ ان لوگوں کی ذاتی قربانی ہو گی، جماعت کی نہیں۔ اور برکت کی بات یہ ہوتی ہے کہ قربانی جماعت کی طرف منسوب ہو۔ امریکہ کا مبلغ امریکہ میں کام کر رہا ہو۔ وہ اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے دور ہو۔ ہر قسم کی تکالیف اور مصائب برداشت کر رہا ہو لیکن ہر شخص اسے دیکھ کر یہ نہ کہے کہ وہ تبلیغ کر رہا ہے بلکہ یہ کہے کہ جماعت تبلیغ کر رہی ہے کیونکہ جماعت اس کی ہر قربانی میں شامل ہو تو یہ جماعتی تبلیغ ہو گی۔ مغربی افریقہ میں ہمارے مبلغین کو دیکھنے والا صرف ان کو نہ دیکھے بلکہ جب وہ جماعت کی تنظیم اور جماعتی قربانی اور جماعتی امداد پر نظر ڈالے اور جب اسے نظر آئے کہ کس طرح ان مبلغین کو جماعت کی طرف سے ہر قسم کا لٹریچر اور نشر و اشاعت کا سامان پہنچ رہا ہے، اسی طرح ہر قسم کی امداد جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں فوراً جماعت کی طرف سے پہنچ جاتی ہے تو وہ یہ نہ کہے گا کہ دس یا پندرہ افراد مغربی افریقہ میں تبلیغ کر رہے ہیں بلکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ جماعت احمدیہ مغربی افریقہ میں تبلیغ کر رہی ہے۔ اگر جماعت کے تمام افراد کام میں لگ جائیں اور ہر شخص کی نگاہ اسی طرف اٹھے۔ جس طرف مبلغ کی نگاہ ہو اور اس کا مال بھی اور اس کی جان بھی اور اس کا وقت بھی اور اس کی عقل بھی اور اس کا فہم بھی سب کا سب ان لوگوں کے لئے وقف ہو جو خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور اس کے کلمہ کے لئے مختلف ممالک میں مختلف کوششوں میں مصروف ہوں

توہر دیانتدار شخص ان کو دیکھتے ہوئے گو اُن کی ذاتی قربانی سے بھی متاثر ہو گا مگر وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ گو بظاہر ان ممالک میں یہ چند افراد تبلیغ کر رہے ہیں لیکن در حقیقت ساری جماعت تبلیغ کر رہی ہے۔ یہی چیز ہے جو ہمارے لئے خوشی کا موجب ہو سکتی ہے ورنہ خدا تعالیٰ کے دین کو اس بات کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے کہ اس میں ایک لاکھ شامل ہیں یا ایک کروڑ۔ خدا تعالیٰ کے محبوب وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی ہر چیز اس کے دین کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ قطع نظر اِس سے کہ وہ پچاس ہوں یا ساٹھ۔ کیونکہ ایسے لوگ یقیناً اسلام کو غالب کر کے رہیں گے۔ یقیناً کفر کو مغلوب کر کے رہیں گے اور افسوس اُن پر ہو گا جو اِس فتح میں حصہ دار نہیں ہوں گے۔"

(الفضل 22 جون 1946ء)

1: درثمین فارسی صفحہ 143